© rasailojaraid.com

فکر و نظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یومِ آزادی کا اعلان
ہمارا دستور قرآن ہے!

۱۴ اگست کے موقع پر حکومت کی جانب سے نئے سیاسی ڈھانچے کا اعلان متوقع ہے۔ اور اخبارات میں اس سلسلہ کے ظن و تخمین، قیاس آرائیوں، سیاسی پیشگوئیوں اور تجاویز پر مشتمل خبریں اور بیانات شائع ہو رہے ہیں ——— چنانچہ امیر جماعتِ اسلامی کا خیال ہے کہ:

"ذات برادری کی بنیاد پر لوگ اگر منتخب ہو کر اسمبلیوں میں آئے تو انتخابات کا کچھ فائدہ نہ ہو گا۔"

اور اس طرح:

"حکومت نے نشاندہی کر دی ہے کہ وہ اقتدار نہیں چھوڑنا چاہتی۔"

——— کالعدم جمعیت العلمائے اسلام درخواستی گروپ کے سیکرٹری جنرل نے غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کی مخالفت کرتے ہوئے اس خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ:

"نئے سیاسی ڈھانچے میں سیاسی جماعتوں پر پابندیاں عائد ہونے کا امکان ہے!"

——— قومی کونسل برائے شہری آزادی کے سیکرٹری جنرل نے یہ اطمینان دلایا ہے کہ:

"انتخابات کے لیے عبوری حکومت کے قیام سے آئین کی خلاف ورزی نہیں ہو گی!"

——— اور مجلسِ شوریٰ کی خصوصی کمیٹی نے پارلیمانی طرزِ حکومت کو ملک کے لیے موزوں قرار دیتے ہوئے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"عام انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر کرانے کی سفارش کی ہے"

——— جبکہ کالعدم تحریکِ استقلال کے قائم مقام سربراہ نے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ:

"کالعدم تحریکِ استقلال ایم۔آر۔ڈی کے اجلاسوں میں شرکت کرے گی"۔

——— پیشگوئی فرمائی ہے کہ:

"بلدیاتی انتخابات فراڈ ہیں!"

——— اور مشورہ دیا ہے کہ:

"اسلامی مشاورتی کونسل توڑ دی جائے!" اور "ملک میں فوراً جمہوری عمل بحال کیا جائے!"

(روزنامہ "جنگ" ۲۴ جولائی ۱۹۸۳ء)

یہ اس اسلامی مملکت کے سیاستدانوں کے بیانات ہیں، جس کی دیواریں " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ " کی بنیادوں پر اٹھائی گئی تھیں، جس کے قیام کے وقت ہر مسلمان مرد، عورت، بچے اور بوڑھے کی زبان پر یہی ایک نعرہ تھا ——— جس کے حصول کے لیے بے شمار قربانیاں دی گئیں، آگ اور خون کے دریا عبور کیے گئے، ہزاروں لاشے تڑپے ——— جانیں لٹا دی گئیں ——— اور یہ سب کچھ اس لیے کہ اس خطۂ سرزمین میں بسنے والے اللہ رب العزت کی منشاء کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کر سکیں ——— اور یہ کہ اس مملکتِ خداداد کا دستور اللہ کا قرآن ہوگا، وہی قرآنِ مجید جس نے ایک اسلامی مملکت میں بسنے والوں کی یہ صفات گنوائی ہیں:

" اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ!"

کہ "(اللہ کے بندے وہ ہیں) جن کو ہم اگر زمین میں جگہ دیں تو وہ نمازیں قائم کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہیں!"

——— جس نے یہ تنبیہ فرمائی تھی کہ:

" مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ !"

"اللہ کی طرف رجوع کرنے والے (ہو کر رہو) اسی سے ڈرتے رہو، نمازیں قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ کہ جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے (اور اب حالت یہ ہے کہ) ہر گروہ، جو کچھ اس کے پاس ہے، اسی پر نازاں ہے!"

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کے حصول کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے والے اب متعدد گروہوں میں بٹ کر رہ گئے ہیں اور بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں ــــــ اگرچہ نعرہ سب کا ایک ہی ہے، لیکن یہ اس نعرے سے مختلف ہے جو قیام پاکستان کے وقت لگایا گیا تھا ــــــ جی ہاں، یہ آج سے چھتیس برس پہلے کی بات ہے جب فضائیں "پاکستان کا مطلب کیا؟

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ!"

سے گونج رہی تھیں، اب تو ہر طرف سے ایک ہی آواز سنائی دیتی ہے ــــ ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھ رہا ہے:

"انتخاب، انتخاب، انتخاب ــ!"

ــــــ گویا ان کے نزدیک یہی حاصلِ زندگانی ہے، مرتے وقت یہی کلمہ ان کی زبانوں پر جاری ہونا چاہیے ــ قبر میں منکر نکیر یہی سوال ان سے کریں گے، حشر کی جان لیوا اور نازک گھڑیوں میں یہی نعرہ ان کی مشکلات کو آسان بناتے گا، میزانِ عمل میں اسی پرچی کا وزن گناہوں کے پلڑے پر بھاری ہو گا جس پر انتخاب کا نعرہ درج ہو گا ــــــ اللہ رب العزت، انتخابات کی آن پر مر مٹنے یا اس سے روگردانی کا ہی سب سے پہلا سوال ان سے کریں گے ــــــ یعنی ؎

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اوّلیں پرسش "انتخاب" بود

غرض نامۂ اعمال اسی کو داہنے ہاتھ میں ملے گا، پلصراط کو بسلامت وہی عبور کر سکیں گے اور جنت میں داخلہ کا ٹکٹ صرف انہیں ملے گا جنھوں نے جماعتی بنیادوں پر انتخابات کروائے تھے یا مملکتِ خداداد پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۴ اگست کو تحریک چلائی تھی ـــــ اور اسی سر توڑ کوششوں میں انہوں نے اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کردی تھیں ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا، ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!

ـــــ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

موجودہ دور کی اسلامی تحریکوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان کی ابتداء میں یہی نعرہ سر فہرست دکھائی دیتا ہے کہ:

"قرآن ہمارا دستور ہے!"

لیکن جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے اور یہ تحریکیں اقتدار سے ہم آغوش ہونے لگتی ہیں، اسی قدر اس نعرہ کو بلند کرنے والوں کے گلے رندھتے چلے جاتے ہیں ـــــ چنانچہ کامیابی کے بعد عملی زندگی میں اس سے اس طرح بے اعتنائی برتی جاتی ہے کہ ایک وقت آتا ہے جب علمی سطح پر بے شمار شبہات و ملحدانہ نظریات سے اس کی تردید و تاویل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے!

پاکستان کی چھتیس سالہ تاریخ بھی اسی طرزِ عمل سے عبارت ہے ـــــ تشکیلِ پاکستان کے بعد اس نعرہ کو یکسر فراموش کر کے تقریباً ہر دور میں جمہوریت کے راگ الاپے گئے، اور یا پھر جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنے کی سر توڑ کوششیں ہوتی رہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تو ویسے ہی نہ ملنا تھا کہ اس سے بغاوت کی ٹھان لی گئی تھی، وصالِ صنم بھی نصیب نہ ہو سکا۔ جمہوریوں کو اس ملک میں مارشل لاء، اسلامی سوشلزم، آمریت وغیرہ سب کچھ تو ملے، لیکن جمہوریت نہ مل سکی ـــــ طرفہ تماشا یہ کہ جمہوریت کا نعرہ بلند کرنے والی سیاسی جماعتوں کو، اپنی جماعتی سیاسی زندگی میں بھی اس کا تصور ڈھونڈے سے نہیں ملتا چنانچہ جمہوریت کا لازمہ انتشار و افتراق، دہشت گردی، ان کا مقدر بن کر رہ گیا ہے۔ تاہم اعلانات و بیانات کی حد تک یہ نعرہ استعمال ضرور ہوتا رہا ہے (اور اب بھی ہو رہا ہے) ـــــ ملک کا مشرقی بازو کٹ گیا، لیکن بیہوشیوں کو ہوش نہ آیا ـــــ حتیٰ کہ تحریک نظامِ مصطفےٰ چلی، لیکن جب یہ تحریک کامیابی کی پہلی منزل سے ہمکنار ہوئی تو "قرآن ہمارا دستور ہے" کسی کو یاد بھی نہ رہا ـــــ چنانچہ کبھیں سے فقہ حنفی یا فقہ جدید کے نفاذ کا آوازہ بلند ہوا، تو کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کونے سے دوبارہ جمہوریت کی مدھر تانوں نے فضاؤں میں ارتعاش پیدا کرنا شروع کیا — اسی دوران حکومت کے ایوانوں سے یہ اعلان بھی سنائی دیا:

"اسلام کا نعرہ ہر دور میں بلند کیا جاتا رہا ہے لیکن عملاً ایسا نہ ہو سکا، اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اس ملک میں کتاب و سنت کی حکمرانی ہو گی!"

تاہم سیاستدان اپنی بساطِ سیاست پر جمہوریت کے مہرے سجا کر پھر سے اپنے پُرانے کھیل میں مشغول ہو چکے تھے۔ ان حالات میں شریعت کی عملداری میں عملی تعاون تو کیا ہوتا، حکومت اور سیاستدان ایک دوسرے سے کٹ کر رہ گئے — اور اب وہ مرحلہ درپیش ہے کہ حکومت یومِ آزادی کے موقع پر کسی نئے سیاسی ڈھانچے کا اعلان کرنے والی ہے اور سیاستدان مضطرب ہیں کہ اس نئے سیاسی ڈھانچے میں ان کے لیے اپنی لیلائے اقتدار کے رُخِ زیبا کا ایک پرتوِ جمال دیکھ لینے کے مواقع کس حد تک موجود ہیں!

حکومت اور سیاستدانوں کے ایک دوسرے سے کٹ کر رہ جانے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ حصولِ اقتدار اور طوالتِ اقتدار کی دوڑ شروع ہو چکی ہے — اس دوران معاشرتی بدامنی، اخلاقی بے راہروی، فحاشی، لہو و لعب اور شرک و بدعات کو جس قدر فروغ حاصل ہوا ہے اسے اگر سیاستدانوں اور حکومت کی ناگزیر ضرورت کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ تاکہ عوام کو ان کھلونوں سے بہلایا جا سکے، سیاستدان الگ بیانات داغتے رہیں اور حکومت اطمینان سے اپنی دانست میں اسلام نافذ کرتی رہے — تاہم یہ صورتِ حال جلد ختم ہو سکتی تھی اگر ملک میں کتاب و سنت کی حکمرانی کے وعدہ کا صحیح معنوں میں پاس کیا جاتا۔ چنانچہ لاہور ہائیکورٹ میں ملک کی ایک بڑی شخصیت، جسے موجودہ قانون کو مسلمان بنانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، کے ایک حالیہ خطاب نے ان خوش فہمیوں کو بھی رفع کر دیا ہے۔ یہ خطاب سعودی ناظم الامور کے ایک خطاب، جس میں قرآن کو مسلمان حکومتوں کا دستور قرار دیا گیا تھا، کے بعد کیا گیا — اس خطاب کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"قرآن مجید اسلامی اصول و اخلاق، فلسفہ اور وعظ کی کتاب ہے، جبکہ ہمیں حدود و تعزیرات اور دیگر پابندیوں کی بھی ضرورت ہے[1] لہٰذا معاشرے

[1] واضح رہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بعد کے ادوار میں اسلامی حکومتوں کا دستور و قانون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعین اقدامات کے لیے ہمیں دستور و قانون خود وضع کرنا ہوگا۔

۱۔ کتاب و سنت کی تعبیر و تشریح میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ہم تقلید کی بجائے اس رائے کو قانونی طور پر اختیار کریں گے جو ہماری عقل اور معاشرتی حالات سے مناسب ہوگی کیونکہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے:

"کسی شخص کو میری رائے مع دلیل اس وقت اپنانی چاہیے، جب اس کی تصدیق اس کی عقل کرتی ہو!"

۲۔ مروّجہ قانون و عرف کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اسلام انسانی فطرت سے مطابقت کا حامی ہے۔ اسلامی حکومت کا کام صرف یہی ہے کہ مروجہ قانون و عرف میں جو چیز شریعت کے منافی ہو، اسے تبدیل کر دے۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب "الرسالہ" میں مروّجہ قانون و عرف کی شریعت سے مطابقت اور مخالفت جانچنے کے اصول پیش کیے ہیں ——— تاہم یہ کام بھی علماء سے زیادہ بہتر وکلاء اور جدید قانون دان طبقہ کر سکتا ہے، کیونکہ علماء کو مروّجہ قانون و عرف سے واقفیت نہیں!"

مذکورہ بالا خطاب کے ان حوالوں سے یہ اندازہ بآسانی ہو سکتا ہے کہ "قرآن ہمارا دستور ہے" کے نعرہ کو نہ صرف یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، بلکہ اس سلسلہ میں وہ افسوسناک صورتِ حال بھی ہمارے سامنے ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ یعنی علمی سطح پر بے شمار شبہات اور ملحدانہ نظریات سے اس نعرہ کی تردید کی جا رہی ہے اور واضح لفظوں میں یہ کہا جا رہا ہے کہ:

"قرآنِ مجید کو بطور دستور نہیں اپنایا جا سکتا کیونکہ قرآنِ مجید اسلامی اصول و اخلاق، فلسفہ اور وعظ کی کتاب ہے، معاشرے میں متعین اقدامات کے لیے جدید انداز میں ہمیں دستور و قانون خود وضع کرنا ہو گا۔"

قرآنِ مجید ہی تھا اور وہ اس کی آخری تعبیر سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پابندی کرتے ہوئے جملہ حدود و تعزیرات اور دیگر قانونی اقدامات اسی سے کرتے رہے۔ کبھی دیگر قانون سازی کی ضرورت کبھی کسی نے محسوس نہیں کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالانکہ یہ نظریہ قرآنِ مجید سے انتہائی بے خبری کی دلیل ہے ـــــ قرآنِ مجید کو نہ صرف دستوری حیثیت حاصل ہے، بلکہ اسی قرآنِ مجید میں اللہ رب العزت نے یہ تنبیہ بھی فرمائی ہے:

"وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ!"

"وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ!"

"وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ!" [1]

(المائدۃ: ۴۴، ۴۵، ۴۷)

کہ "جو کوئی اس چیز کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے تو یہی لوگ کافر ہیں ـــــ یہی لوگ ظالم ہیں ـــــ اور یہی لوگ فاسق ہیں!"

قرآنِ مجید کا یہ مقام ملاحظہ ہو، جہاں یہ آیات مذکور ہیں، ان کے سیاق و سباق میں نہ صرف قانونِ قصاص کا ذکر ہے بلکہ مذکورہ تینوں آیات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب فرماتے ہوتے "فَاحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ" اور "اَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ" کے الفاظ بھی وارد ہیں۔

بتائیے، یہ آیاتِ کریمہ قرآنِ مجید کو محض فلسفہ و وعظ کی ایک کتاب قرار دے رہی ہیں یا اس کی دستوری حیثیت کا اعلان کر رہی ہیں؟ ـــــ یہی نہیں بلکہ ان آیات سے، "ہمیں دستور و قانون خود وضع کرنا ہوگا" کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ کتاب و سنت کے ہوتے ہوئے دستور سازی کی کوئی بھی کوشش قرآنِ مجید کی نظر میں کفر، ظلم اور فسق کے زمرہ میں آئے گی۔

ـــــ ستم ظریفی کی انتہاء تو دیکھیے، ایک طرف قرآنِ مجید سے یہ ناواقفیت ہے اور دوسری طرف دعوٰی اتنا بڑا کہ:

"ہم تقلید کی بجائے اس رائے کو قانونی طور پر اختیار کریں گے جو ہماری عقل اور معاشرتی حالات سے مناسب ہوگی!"

تقلید کو تو خیر، ہم بھی جزوِ ایمان نہیں سمجھتے، لیکن اس "ہماری عقل" کا اندازہ لگائیے، جس کو قانونی طور پر اختیار کر کے ایک طرف تو خود شریعت ہونے کا درجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دے دیا گیا ہے اور دوسری طرف یہ عقل امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کا مفہوم سمجھنے سے بھی قاصر ہے ——— ارشاد ہوتا ہے، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے:

"کسی شخص کو میری رائے مع دلیل اس وقت اپنانی چاہیے، جب اس کی تصدیق اس کی عقل کرتی ہو!"

حالانکہ آپؒ نے جو بات بیان فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ:

"کسی شخص کو میری رائے کے مطابق فتویٰ دینا اسی وقت درست ہے، جب وہ میری دلیل سے واقف ہو!"

——— یہی حال امام شافعیؒ کی کتاب "الرسالہ" کے موضوع کو سمجھنے کا ہے ——— امام شافعیؒ نے اس کتاب میں مروجہ قانون و عرف کی شریعت سے مطابقت اور مخالفت جانچنے کے اصول پیش نہیں کیے، کیونکہ اس وقت نہ کوئی وضعی قانون موجود تھا اور نہ ہی یہ مسئلہ زیرِ بحث تھا۔ بلکہ انہوں نے کتاب و سنت کا باہمی ربط و مطابقت اور ان دونوں کے فہم و تفقہ کے اصول اس میں بیان فرمائے ہیں!

——— لیکن اس کے باوجود دعویٰ یہ ہے کہ:

"مروجہ قانون و عرف میں جو چیز شریعت کے منافی ہو، اسے تبدیل کرنے کا کام علماء سے زیادہ بہتر وکلاء اور جدید قانون دان طبقہ کر سکتا ہے کیونکہ علماء کو مروجہ قانون سے واقفیت نہیں!"

——— جبکہ وکلاء اور جدید قانون دان طبقہ کا حال یہ ہے کہ نہ قرآن مجید سے واقفیت ہے، نہ سنت کے معیار اور مفہوم سے شناسائی ہے، نہ ائمہ کے اقوال و فرامین کا مفہوم و محل وہ متعین کر سکتے ہیں۔

——— جہاں تک کتاب و سنت کی تعبیر و تشریح میں فقہاء کے اختلاف کا تعلق ہے تو یہ دستوری اختلاف نہیں۔ اس لیے کہ فقہاء کی آراء کتاب و سنت کے فہم میں مفید ضرور ہیں، لیکن کتاب و سنت ان کی پابند نہیں کیونکہ فقہاء کے اجتہادات مختلف ہونے کی بناء پر فقہ کا متعدد ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہے لیکن شریعت، جسے اسلامی مملکت کا دستور کہا جا سکتا ہے، صرف ایک ہے اور وہ کتاب و سنت ہے۔ اگرچہ قرآنِ کریم کی بعض قراءتوں کا اختلاف ہے اور اسی طرح بعض سنتوں کی تصحیح و تضعیف کا بھی اختلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ لیکن یہ اختلاف اتنا نادر ہے جس کا کتاب و سنت کی دستوری حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ کتاب و سنت کے بعد مجتہدین کی آراء کو بھی اگر دستوری حیثیت دے دی جائے تو وہی مشکل پیش آئے گی جو آج دستور و قانون کے وضع کرتے وقت مسلمان حکومتوں کو درپیش ہے، حالانکہ بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ نام شریعت کا لیتے ہیں لیکن نافذ کرنے کے لیے اپنے سامنے ائمہ کی فقہ یا جدید آراء کو رکھ لیتے ہیں۔ گویا انسانی کوششوں کو شریعت کا مقام دینے کے لیے یہ تگ و دو ہوتی ہے جس کا نتیجہ اختلافات اور انتشار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور مخالفین کو یہ طعن دہرانے کا موقع ملتا ہے کہ کسی حکومت کے لیے دین و مذہب کو دستوری حیثیت دیے جانے کا تصور غلط ہے۔

فقہی مسائل میں اختلاف کے باوجود کتاب و سنت کی دستوری حیثیت متاثر نہ ہونے کے سلسلہ میں بطورِ مثال حضرت عمرؓ کے دور کے اس واقعہ کا تذکرہ مناسب ہوگا جب آپؓ نے حق مہر کو محدود کرنے کا ارادہ فرمایا تو ایک بڑھیا نے اٹھ کر آپؓ کو ٹوک دیا:

"امیر المومنین! اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں "وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا" کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں، پس جب قرآن مجید نے حق مہر کو محدود نہیں فرمایا تو آپ اس کی تحدید فرمانے والے کون ہوتے ہیں؟"

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس بڑھیا کی دلیل کو قبول کرتے ہوئے اپنے فیصلے سے رجوع فرما لیا۔

—— اسی طرح مجتہدین کی آراء کو دستوری حیثیت نہ دیے جا سکنے کے سلسلہ میں امام مالکؒ کے اس نظریہ کا حوالہ دیا جا سکتا ہے، جو پہلے منصور اور پھر ہارون الرشید کی اس پیشکش کے جواب میں تھا کہ "فقہاء کے اختلافات کے پیش نظر مناسب ہوگا کہ انکی کتاب مؤطا کو دستوری حیثیت دے دی جائے" لیکن امام مالکؒ نے دونوں حیثیتوں سے اپنی اس تالیف کو دستور بنانے سے اتفاق نہ کیا۔ ایک دفعہ یہ جواب دیا کہ میری کتاب جملہ سنن و احادیث کا احاطہ نہیں کرتی اور دوسری دفعہ یہ جواب دیا کہ فقہاء مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں، ان کو کسی رائے کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی مؤطا میں فقہاء کے جو فتاویٰ مذکور ہیں، ان کی پابندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب پر لازمی نہیں ۔[1]

---

[1] مندرجہ بالا سطور میں حضرت عمرؓ اور امام مالکؒ کا جو واقعہ بیان ہوا ہے ہم نے اپنے الفاظ میں اس کا مفہوم بیان کیا ہے، اصل الفاظ یہ ہیں:

(ا) قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ "لَا تَغَالُوْا فِيْ مُهُوْرِ النِّسَاءِ" فَقَالَتْ امْرَأَةٌ: "لَيْسَ ذٰلِكَ يَا عُمَرُ، إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ (وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا) مِنْ ذَهَبٍ" ..... فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّ امْرَأَةً خَاصَمَتْ عُمَرَ فَخَصَمَتْهُ"۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶۷)

"حضرت عمرؓ نے فرمایا، "عورتوں کے حق مہر باندھنے میں غلو سے کام نہ لو" تو ایک عورت نے کہا، "عمرؓ، آپ کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حق مہر کے بیان میں) فرمایا ہے:

"اگر تم عورتوں کو ڈھیروں مال دے چکے ہو" سونے سے ..... پس حضرت عمرؓ نے فرمایا، "ایک عورت نے عمرؓ سے جھگڑا کیا اور وہ اس پر غالب آ گئی!"

(ب) طبقات ابن سعد میں امام مالکؒ کے الفاظ یوں مذکور ہیں:

"فَقُلْتُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَفْعَلْ هٰذَا، فَإِنَّ النَّاسَ قَدْ سَبَقَتْ إِلَيْهِمْ أَقَاوِيْلُ وَسَمِعُوْا أَحَادِيْثَ وَرَوَوْا رِوَايَاتٍ وَأَخَذَ كُلُّ قَوْمٍ بِمَا سَبَقَ إِلَيْهِمْ وَدَانُوْا بِهِ فَدَعِ النَّاسَ وَمَا اخْتَارَ أَهْلُ كُلِّ بَلَدٍ مِّنْهُمْ لِأَنْفُسِهِمْ!"

"پس میں نے (امام مالکؒ نے) خلیفہ منصور سے کہا، "یا امیر المومنین (میری تالیف موطا کو دستوری حیثیت دینے کا) یہ کام نہ کیجئے، کیونکہ لوگوں کے پاس اقوال پہنچ چکے، احادیث انہوں نے سن لیں، روایات انہوں نے روایت کیں اور ہر قوم نے اس چیز کو لے لیا جو اس کے پاس پہنچ چکی اور اسی کی انہوں نے پیروی کی، پس ہر شہر کے لوگوں نے اپنے لیے جس چیز کو اختیار کر لیا، اس پر انہیں چھوڑ دیجئے!"

اسی طرح امام مالکؒ کا قول ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختصراً اس خطاب کے مذکورہ نکات پر تبصرہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ :

"لا الٰہ الا اللہ" کا معنیٰ یہ ہے کہ عبادت و اطاعت صرف اللہ کی ہے، جبکہ سیاستدانوں نے عبادت کو تو عوام کا نجی معاملہ قرار دیا (جیسا کہ حال ہی میں اس سلسلہ کے دو اخباری بیانات سامنے آتے ہیں کہ "نماز روزہ عوام کا ذاتی مسئلہ ہے" اور دوسرے بیان میں ایک خاتون لیڈر نے یہ کہا ہے کہ "امیدواروں کے لیے صوم و صلوٰۃ کی پابندی بے معنی ہے، ان کا مسلمان ہونا کافی ہے" یعنی ان کے نزدیک مسلمانی صوم و صلوٰۃ کے بغیر الگ کوئی چیز ہے) اور اطاعت کا حق اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ وہ یوں کہ دستوری حیثیت صرف اس چیز کو حاصل ہے جسے اسمبلی پاس کرے۔

پھر اگر معاملہ یہیں تک محدود رہتا کہ اسمبلی کا اصل مشن شریعت کی صحیح تعبیر اور موجودہ حالات پر اس کی تطبیق ہے تو بات کسی حد تک قابلِ فہم تھی، لیکن سیاستدانوں نے اپنے اس حق پر اجارہ داری قائم رکھنے کے لیے کتاب و سنت کا علم رکھنے والے کو تعبیرِ شریعت کے حق سے یوں محروم کر دیا کہ اسے جدید تقاضوں اور جدید معاشرہ کے مسائل سے واقفیت نہیں ـــــ اور چونکہ دستور سازی میں اصل اہمیت عصری حالات اور عرف کی ہے، اس لیے کتاب و سنت کا علم رکھنے والا کسی اجتہاد کا اہل نہیں۔

گویا اوّلاً تو قرآن مجید کو دستور بنانا غلط ہے اور دوسرے اس کی تعبیر وہ لوگ نہیں کر سکتے جنھوں نے فہمِ قرآن اور اس کے متعلقہ علوم پر زندگیاں صرف کی ہیں۔ تیسرے دستور میں اصل اہمیت فہمِ قرآن کو نہیں، جدید معاشرے کو ہے ـــــ وہی جدید معاشرہ جس میں پروان چڑھنے والے ایک بہترین دماغ کا نمونہ آپ مندرجہ بالا سطور میں ملاحظہ فرما چکے ہیں!

کتاب و سنت پر ان صریح زیادتیوں کا صدمہ ابھی تازہ تھا کہ ۱۰ر جولائی ۸۳ء کی

(بقیہ حاشیہ)

"مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَوْلُهٗ مَقْبُوْلٌ وَّمَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ اِلَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ"

"ہر کسی کی بات قبول کی جاسکتی ہے اور چھوڑی بھی جاسکتی ہے، سوائے اس (روضۂ اقدس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) صاحبِ قبر کے" صلی اللہ علیہ وسلم!

© rasailojaraid.com

اشاعت میں "مسائل و افکار" کے عنوان کے تحت نامور صحافی زیڈ۔ اے سلہری صاحب کا مضمون مزید اضطراب کا باعث بنا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ "اسلامی دستور و نظام، ملکی آبادی کی اکثریت کے فیصلے سے نافذ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کو ہندوستان سے الگ کیا گیا تاکہ مسلمان اکثریت اپنی مرضی کا قانون نافذ کر سکے۔"

۲۔ "خالصتاً اسلامی نظام پر اصرار اس لیے بے معنی ہے کہ اسلام نے ہمیں زندگی کے بنیادی تصورات دیے ہیں، کسی خاص نظام کا ڈھانچہ نہیں دیا۔"

۳۔ "دنیا میں مروجہ نظاموں اور تہذیبوں سے کٹ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہیں بنائی جا سکتی۔ دریا کی لہروں کے خلاف پیرنے کی بجائے اس کی موافقت میں پیرنا ہی منزلِ مقصود پر پہنچنے کی ضمانت ہوتا ہے۔"

حالانکہ:

۱۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے شریعت سازی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کا نفاذ نبی کرتا ہے جس میں کسی تنسیخ و ترمیم کی گنجائش نہیں ہوتی ــــ اور شریعت چونکہ جامع اور کامل ہے، لہٰذا اس کے ساتھ کسی مروج قانون کی پیوندکاری بھی نہیں ہو سکتی، کجا یہ کہ کوئی نیا دستور، نئی شریعت ایجاد کر لی جائے۔

ــــ ویسے بھی یہ حضرت بھول رہے ہیں ــــ اسلامی دستور و نظام ملکی آبادی کی اکثریت کے فیصلے سے " چھتیس سال کا طویل عرصہ گزر گیا، آج تک تو نافذ نہ ہو سکا ــــ ہاں پاکستان ضرور بن گیا تھا۔ تاہم یہ بھی ملکی آبادی کی اکثریت کے فیصلے سے نہیں بنا تھا ــــ ملک ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں تھے، اکثریت ہندو کی تھی، اس کے باوجود اگر پاکستان بن گیا تو آپ کا بیان کردہ اصول الٹ ہوتا نظر آتا ہے۔ لہٰذا آپ کو یوں کہنا چاہیے کہ:

"پاکستان کو ہندوستان سے اقلیت کی بنا۔پر الگ کیا گیا تاکہ مسلمان اقلیت اپنی مرضی کا قانون نافذ کر سکے۔!"

۲۔ ہمیں یقین نہیں آتا کہ یہ بات (خالصتاً اسلامی نظام پر اصرار اس لیے بے معنی ہے کہ اسلام نے ہمیں زندگی کے بنیادی تصورات دیے ہیں، کسی خاص نظام کا ڈھانچہ

© rasailojaraid.com

نہیں دیا) ایک مسلمان کہہ سکتا ہے یا کم از کم تاریخ اسلام سے اس قدر ناواقف شخص صحافیوں کے زمرہ میں کیونکر شمار ہونے لگا ——— "دو اور دو چار۔ روٹی"، کے مصداق دراصل یہ حضرت اسلامی نظام کا ڈھانچہ خلفاء اربعہ کے طریق انتخاب کو قرار دے رہے ہیں، جس میں تفاوت نے انہیں اس وہم میں مبتلا کر دیا ہے کہ اسلام نے ہمیں کسی خاص نظام کا ڈھانچہ نہیں دیا۔

حالانکہ یہیں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام نے طریق و طرزِ انتخاب کو اصل مقصود نہیں قرار دیا بلکہ مقصود و مطلوب شریعت کے نفاذ کا اعلان و تعمیل ہے ——— جو بھی حکومت یہ کام کر دکھائے گی، اسلام کی نظر میں وہی اسلامی حکومت کہلائے گی۔ تو پھر آپ کو مارشل لاء سے اس قدر نفرت اور جمہوریت سے اس قدر پیار کیوں ہے؟ اگر مارشل لاء ملک کے لیے نیک فال نہیں تو جمہوریت نے ہمیں آج تک کیا دیا ہے؟ یہی ناکہ ملک دولخت ہو گیا؟ ——— بہر حال یہ الگ بحث ہے! ——— ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر موجودہ حکومت اسلام کے نفاذ یا قرآنِ مجید کی دستوری حیثیت کا اعلان کر دے پھر صحیح معنوں میں اس کی تعمیل بھی ہو، تو کیا یہ حکومت غیر اسلامی ہو گی؟ ——— اور گذشتہ حکومتوں میں سے اگر کسی حکومت نے انتخابات تو جمہوری بنیادوں پر کرائے تھے، لیکن شریعت کی عملداری کی توفیق اسے نہ ہو سکی تو کیا یہ اسلامی حکومت تھی؟ ——— علاوہ ازیں خلفائے اربعہ کے طریقِ انتخاب میں تفاوت کی بناء پر کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ دورِ خلافت خالصتاً اسلامی نظام نہیں تھا؟ ——— اور اگر یہ خالصتاً اسلامی نظام تھا تو پھر اس پر اصرار کیوں نہیں کیا جا سکتا؟

واضح رہے کہ ہمارا مقصود عصرِ رسالت اور دورِ خلافت راشدہ کو بطور مثالی اسلامی نظام پیش کرنا ہے۔ کیونکہ یہ حضرت ان مقدس ادوار کو اسلامی نظام یا اس کا ڈھانچہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ حالانکہ اگر کوئی نظریہ کسی نظام کی صورت میں متشکل نہ ہو تو وہ نظریہ ہی بیکار ہوتا ہے۔ اگر اسلامی نظریے کا کوئی متعین اور مثالی اسلامی نظام نہیں تو یہ اسلامی نظریہ ہی کا انکار ہے۔

دراصل طریقِ انتخابات وغیرہ کے جس اختلاف سے گھبرا کر یہ حضرت ان ادوار کو اسلامی نظام قرار دینے سے انکار کر رہے ہیں، تو یہ ان کی دین سے ناواقفیت کا منہ بولتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثبوت ہے ____ ہر نظام کو چلاتے ہوئے تدبیری امور سے بھی واسطہ پڑتا ہے، اور تدبیر کے سلسلے میں شریعت ہم پر کوئی قدغن عائد نہیں کرتی۔ بشرطیکہ ایسی کوئی تدبیر غیر اسلامی اصولوں پر مبنی نہ ہو۔ اس لیے تقرر و انتخاب کے مسئلہ میں، ان ادوار میں جو مختلف طریقے سامنے آتے ہیں، اس حد تک یہ معاملہ تدبیری تھا۔ تاہم یہ اسلامی نظام ہی کا حصہ تھا اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام کا کوئی مثالی نظام ہی نہیں جس کی پابندی امت پر لازمی قرار دی گئی ہو۔

ہاں اگر ارشاداتِ عالیہ کا مفہوم ہم نے غلط سمجھا ہے تو آپ ہی وضاحت فرما دیجئے کہ "زندگی کے بنیادی تصورات" اور "کسی خاص نظام کے ڈھانچے" سے آپ کی کیا مراد ہے؟

جہاں تک ہمارا تعلق ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک دورِ حیات، خلفائے راشدین کا زریں دور اور اس کے بعد بھی کئی حکومتیں ہماری نظر میں خالصتاً اسلامی نظام کی حامل تھیں، لیکن اگر آپ کو اس سے انکار ہے تو شاید پوری تاریخ اسلام میں کوئی ایک حکومت بھی اسلامی نظام کی حامل نہیں گزری ____ تو پھر آپ۔ نے پاکستان کو ہندوستان سے الگ کرنے کی یہ کیا مصیبت مول لے لی تھی؟ ____ "قرآن ہمارا دستور ہے!" اس کا کیا مطلب تھا؟ ____ تحریکِ نظامِ مصطفےٰ کیوں چلائی گئی تھی؟ بھٹو ہی کیا برا تھا؟ آخر ملکی آبادی کی اکثریت ہی نے تو اسے پاکستان کا وزیرِ اعظم بنایا تھا؟ ____ اسلامی نظریات و اصول کے حامل تو آپ اکھنڈ بھارت میں رہ کر بھی بن سکتے تھے!

۲۔ دنیا میں مروجہ نظاموں اور تہذیبوں سے کٹ جانا اگر آپ کے نزدیک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کے مترادف ہے تو ہندوستان کی سرزمین آپ کو کیوں راس نہ آئی؟ ____ کیا اتنی قربانیاں دینے کے بعد اب آپ کو احساس ہوا ہے کہ پاکستان نہیں بننا چاہیے تھا؟ ____ آخر ہندوازم بھی ایک نظام تھا، اس کی اپنی تہذیب بھی تھی ____ اس نظام اور تہذیب سے کٹ جانے کی آپ کو کیوں ضرورت پیش آئی تھی؟ ____ آپ بھول رہے ہیں، اپنے اس مضمون میں آپ اسلامی دستور و نظام کو پاکستان کو ہندوستان سے الگ کرنے کی وجہ قرار دے چکے ہیں ____ آپ نے اس ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کو الگ بنانا اس وقت کیسے گوارا کر لیا تھا؟ ____ پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کا دو قومی نظریہ کیا ہوا؟ — اگر دریا کی لہر (؟) کی موافقت میں پیرنا ہی منزلِ مقصود پر پہنچنے کی ضمانت ہوتا ہے تو آپ اس کے خلاف کیوں پیرے تھے؟ — غالباً آپ کو علامہ اقبال کے اس شعر میں بھی کوئی معقولیت نظر نہ آئی ہو گی ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے!

سرزمینِ عرب میں صدیوں قبل رونما ہونے والا وہ انقلاب بھی شاید آپ کو پسند نہ آیا ہو گا جس نے تاریخ عالم کے دھارے بدل دیے تھے، ظلم و بربریت کے طوفانوں کا منہ موڑ دیا تھا اور دکھی تڑپتی، سسکتی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت نے امن و عافیت کے گہواروں میں سکون کی سانس لی تھی — کیا آپ کو اپنی پوری تاریخ سے انکار ہے؟ آپ نے دراصل سوچا ہی نہیں کہ اس "ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے" کے پس پردہ آپ کھنچے کیا جا رہے ہیں — ہاں مگر جو شخص خالصتاً اسلامی نظام پر اصرار کو بے معنی سمجھتا ہے وہ قرآنِ مجید کے اس صریح حکم کا انکار کیوں نہیں کر سکتا:

"لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ" (آل عمران ۲۸)

کہ "مومنین کفار کو اپنا دوست نہ پکڑیں، ہاں یہ دوستی انھیں مومنوں ہی سے اختیار کرنی چاہیے!"

کیونکہ:

"وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ!" (المائدۃ: ۵۱)

"تم میں سے جو شخص ان (کفار) سے دوستی اختیار کرے گا تو وہ انہی میں سے ہو گا!"

اور:

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"

"جس شخص نے ... قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ انہی میں سے ہوا کرتا ہے!"

الغرض، مندرجہ بالا سیاسی تجاویز صرف نامعقول ہی نہیں، بلکہ ان کو تسلیم کر لینے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلب یہ ہے کہ ہماری تمام تر توانائیاں دستوری کوششوں، سیاسی اتار چڑھاؤ اور جدید اداروں کی تشکیل و تنظیم پر صرف ہونی چاہئیں — اس لیے اصل بحث یہ ہے کہ مارشل لاء کیسے ختم کیا جائے؟ صدارتی نظام کی بجائے پارلیمانی نظام حکومت کیسے لایا جائے؟ ۱۹۷۳ء کے دستور کے اندر صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات کا توازن کیسے قائم کیا جائے؟ سیاسی پارٹیوں کی تعداد میں کمی کیسے کی جائے؟ اسمبلیوں میں صوبوں، عورتوں اور اقلیتوں کی نمائندگی کا کیا تناسب ہو؟ — گویا ہمارے تمام مسائل یہی کچھ ہیں، جن سے عہدہ برآ ہو کر ہم زمانے کا ساتھ دے سکتے ہیں — حالانکہ ادارہ جات اور تنظیم و تنسیخ کسی دستور و قانون کی تطبیق و ترویج کے لیے معرض وجود میں آتے ہیں — ان کا مقصد ایسی تدبیر ہوتا ہے کہ ملک کا اساسی فکر اور دستور ظاہر و باہر طور پر پورے نظام زندگی میں سمو دیا جائے، جبکہ مذکورہ بالا سیاسی تجاویز کو سب کچھ تسلیم کر لینے سے یہ لازم آتا ہے کہ اصل مسئلہ درخت لگانا اور اسے پروان چڑھانا نہیں، بلکہ ٹہنیوں کی کانٹ چھانٹ اور انہیں ایک خاص سمت میں باندھ کر رکھنا ہے۔ بتائیے، شجر اسلام کیا ہم سے یہی مطالبہ کرتا ہے؟ — پاکستان کیا اسی لیے بنایا گیا تھا؟ — "لا الٰہ الا اللہ" کا یہی مفہوم ہے اور "قرآن ہمارا دستور ہے" کا یہی تقاضا ہے؟

ہم واضح لفظوں میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ طرزِ فکر نتیجہ ہے اس عہد و پیمان سے انحراف کا جو تشکیل پاکستان کے وقت اللہ رب العزت سے باندھا گیا تھا، دیکھئے، ان کے علاوہ بھی کیسی کیسی آوازیں سننے میں آ رہی ہیں:

"کالعدم قومی محاذِ آزادی کے سربراہ معراج محمد خاں نے کہا ہے کہ "اسلام سے بڑا سیکولر مذہب اور کوئی نہیں!"

پھر اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ:

"اور سیکولر کا مطلب لادین نہیں ہوتا!" (روزنامہ جنگ، ۲۷ جولائی ۸۳ء)

یعنی اسلام کو گالیاں بھی دیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ واضح کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اس گالی کا وہ مفہوم نہیں جو پوری دنیا جانتی اور سمجھتی ہے — گالی دینے کے اس انوکھے طریق کار کی دریافت کا سہرا انہی کے سر ہے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید فرماتے ہیں،

" قائد اعظم نے کہا تھا، پاکستان ایسی ریاست نہیں ہوگی جہاں ملاؤں کی حکومت ہو!" (حوالہ مذکور)

اسی طرح سرخپوش لیڈر عبد الغفار خان کی یہ بات کہ:

" داڑھی سنت نہیں، بلکہ اسے ملاؤں نے رواج دیا ہے!" (روزنامہ جنگ حوالہ مذکور تحت عنوان "غفار خاں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں!")

دراصل یہ وہ لوگ ہیں جن کو صرف کرسی سے غرض ہے، یا سیاست جن کا مشغلہ ہے ـــــ ڈاکے پڑیں، قتل و غارت ہو، قوم کی بہو بیٹیوں کی عزتیں پامال ہوں، شیطان علی الاعلان چوراہوں میں ننگا ناچے، ملک رہے یا نہ رہے، قرآن سے بغاوت ہوتی ہے تو ہوتی رہے، اللہ رب العزت سے عبد و معبود کے رشتے کٹ جانا، یہ سب کچھ انہیں منظور ہے، لیکن انتخابات سے دست بردار ہونا انہیں گوارا نہیں، تاکہ ایوانِ حکومت تک ان کی رسائی کی کوئی صورت ممکن ہو سکے، جبکہ ایک مسلمان کے نزدیک مذکورہ بالا اصول اصل اہمیت رکھتے ہیں، جن کا حصول ملک میں شریعت کی عملداری سے ہی ممکن ہے! ـــــ اور جس میں اگر تاخیر ہوئی تو یاد رکھیے، نہ صرف ان دشمنانِ اسلام کو، جو پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر حملہ آور ہو کر اسے نیست و نابود کر دینا چاہتے اور اس طرح قوم کی ہڈیوں پر اپنے عشرت کدے تعمیر کرنا چاہتے ہیں، نہ صرف مزید کھل کھیلنے کا موقع ملے گا بلکہ قہرِ خداوندی کا وہ کوڑا بھی حرکت میں آجائے گا جس کا مقصود اور بالآخر نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے:

" وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ "

کہ " اگر تم باز نہ آئے، تو خدائے لم یزل تمہارے علاوہ کسی دوسری قوم کو اپنے فرامین کی بجا آوری کے لیے منتخب فرما لے گا ـــــ اور پھر

ع تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں!"

پس سے ۱۴ر اگست کو یومِ آزادی کے موقع پر اہم اعلان کی توقع کے پیشِ نظر ہم "قرآن ہمارا دستور ہے" کا نعرہ لگانے والوں سے عموماً اور ان اسلامی جماعتوں کو خصوصاً،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اپنے منشور میں اور تو سب کچھ لکھتی ہیں، لیکن اس نعرہ کو نظر انداز کرتی یا اس کی تاویل کرنا اپنا اوّلین فریضہ خیال کرتی ہیں، مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنے قول و عمل میں مطابقت پیدا کریں۔ اسی طرح ہم صدرِ مملکت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب جنرل محمد ضیاء الحق سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ کسی مملکت کی فکری اساس و نقشہ، دستور ہوتا ہے اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی بنیادوں پر قائم ہونے والی اسلامی حکومت کا نقشہ قرآنِ مجید کی دستوری حیثیت کے اعلان و تعمیل سے ہی تشکیل پاتا ہے۔ لہٰذا وہ یومِ آزادی کے موقع پر یہ اعلان فرما دیں کہ:

"آج سے ہم قرآنِ مجید کو اپنا دستور ماننے کا اعلان کرتے ہیں، اور ہماری جتنی بھی انفرادی، اجتماعی، حکومتی کوششیں اور تدبیریں ہوں گی، وہ اسی شجرِ اسلام کے فروغ کے لیے ہوں گی!" ــــــ "اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ"!

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

(اکرام اللہ ساجد)

ہم ان تمام علماء کرام، ائمہ و خطباء مساجد کو، جن کا "قرآن ہمارا دستور ہے" پر ایمان ہے، یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ نہ صرف خطباتِ جمعہ میں اس موضوع کو زیرِ بحث لاکر عوام الناس کو اس کی اہمیت سے روشناس کرائیں بلکہ اجتماعی طور پر حکومت کی اہم شخصیات، بالخصوص صدرِ مملکت سے بذریعہ خطوط وغیرہ یہ مطالبہ کریں کہ وہ فلاحِ ملک و ملت و آخرت کی خاطر یومِ آزادی کے موقع پر قرآنِ مجید کی دستوری حیثیت کا اعلان فرمائیں تاکہ یہ ملک پاکستان اپنی نظریاتی بنیادوں پر صحیح معنوں میں استوار ہو سکے ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ ترے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں!

(ادارہ محدث)

© rasailojaraid.com